ھوالکل

یامعین

تاج عثمانیہ آصفیہ

اختلاف

دکن کے خلاف ایجی ٹیشن سے

خلافت کیلیے مملکت حضور نظام میں جو جدوجہد وہاں کے مقامی مصالح
کے خلاف شروع کی گئی تھی بتقاضائے حکم ایمان اس مضمون میں اُس سے
اختلاف کیا گیا ہے اور گورنمنٹ کی تائید کی گئی ہے

نوشتہ

حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی

کارکن حلقۃ المشائخ درگاہ حضرت محبوب الٰہی رض دہلی نے دوسری مرتبہ
محبوب المطابع دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مملکتِ دکن

آفتابِ اسلام کی ہندوستانی کرن

ٹرکی، ایران و افغانستان کی لڑی میں مملکتِ نظام بھی شامل ہے

ہم ترکوں سے محبت کرتے ہیں، ہم اُنکی سلامتی چاہتے ہیں، ہمکو اُن کی تاجداری قائم رہنے کا دل سے ارمان ہے اور
یہی آجکل ہم سب کا دین و ایمان ہے۔ ہم ایران کی سلامتی و آزادی کے بھی طلبگار ہیں، ہمکو ایران کی مسلم سلطنت میں
کسی غیر کی مداخلت گوارا نہیں، ہم افغانستان کے رونگ رونگ کی بھی خیر مناتے ہیں، ہمیں اُس کے
استقلال و دوام و عروج سے دلی تعلق ہے تو ہمیں اپنے برِ اعظم ہندوستان کی دیسی ریاستوں کے سب سے
بڑے اسلامی تاجدار حضور نظام اور اُن کی مملکت کی سلامتی سے بھی قلبی واسطہ ہے۔

مگر ہمکو یہ صاف صاف کہدینا چاہیے کہ ان ممالک اور ان اقوام مذکورہ سے ہمارا تعلق مذہبی رشتہ کے
سبب سے ہے جو اتنا زبردست اور ناقابلِ تغیر ہے کہ کوئی مادی قوت اس کو ہمارے دل سے دور نہیں کرسکتی۔
ہم نہ ترکوں کی رعایا ہیں، نہ ایرانیوں کی، نہ افغانوں کی، اور نہ حضور نظام سے برٹش علاقہ کے
مسلمانوں کو اس قسم کا تعلق ہے۔ ہمارا ان ممالک سے کسی قسم کا بھی سیاسی تعلق نہیں ہے، تاہم ان کا
خیال ہمارا خیال ہے، انکا ارادہ ہمارا ارادہ ہے۔ انکی زندگی ہماری زندگی ہے، انکی موت ہماری موت ہے
کیونکہ اسلام نے ہمیں اور انہیں مختلف قالب مگر یک جان بنادیا ہے اور کوئی غیر مسلم ہماری اس قوتِ
اخوت کو سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتا۔

ہم ہندوستان میں رہتے ہیں جہاں ایک ایسی غیر مسلم قوم حکومت کرتی ہے جو کسی مذہب کے موافق یا مخالف
نہیں ہے، بدقسمتی سے جنگِ یورپ میں اسکا مقابلہ ہمارے ہم مذہب ترکوں سے آپڑا تھا، مگر ہمنے باوجود
جنگی احتیاطوں کے اور قوانین انتظامی کی پابندیوں کے اپنے مذہبی خیالات کو آزادی سے ظاہر کیا،
اور کہہ دیا کہ ہم ترکوں کے ہمدرد ہیں اور آج جبکہ ہمارے غیر مسلم حکمران صلح کی ایسی شرائط پیش کرتے ہیں

جو ترکوں کے اقتدار کو مضر ہیں تو ہمنے یک جہتی سے اس کے خلاف بھی صدا بلند کی ہے۔

ترکوں سے ہمیں کیوں محبت ہے؟ مذہب کے سبب۔ ایران کو ہم کیوں چاہتے ہیں؟ مذہبی تعلق کی وجہ سے۔ افغانستان کی سلامتی کسواسطے مطلوب ہے؟ اسلیے کہ وہ مسلم سلطنت ہے۔ ہم بیرونی مسلمانوں کی حمایت کیلیے اپنے جان و مال کو کیوں خطرے میں ڈال رہے ہیں اور کیوں ایسے کام کرتے ہیں جنکا ہمارے ملک ہندوستان کے مفاد سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے؟ اسلیے کہ اسلامی اخوت کا تقاضہ یہی ہے۔

تو کیا مملکتِ نظام اسکی مستحق نہین ہے؟

کہ مسلمان اس کی محبت بھی مذکورہ ممالک اسلامی کی برابر اپنے دل میں رکھیں اور اسکی سلامتی و بہبودی کے وسائل کو بھی اپنا اسلامی فرض خیال کریں، ہر مسلمان ایمان کی تقاضہ سے تسلیم کریگا کہ ملکِ حضور نظام اس کا مستحق ہے۔ میرے خیال میں حضور نظام کی ملک کا تحفظ مسلمان قوم کو دیگر ممالک اسلامی کی برابر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس سے علاوہ تعلق اسلامی کے ہمارے ملک کو اور بھی صدہا قسم کے مفاد ہیں۔

ہندوستان کو مسلم اور غیر مسلم امورِ عامّہ کو ملک نظام سے معقول مالی امداد حاصل ہوتی ہے خصوصاً مسلمانوں کے ہر فرقہ کی تعلیمگاہوں کو، مساجد کو، خانقاہوں کو سلطنت نظام اتنی مدد دیتی ہے کہ انہیں سے اکثر اسی کی امداد کی بہائے زندہ و برقرار ہیں، ہمارے علمار کو، مشائخ کو، مصنفوں کو اور ہر قسم کے علوم و فنون کے ماہروں کو اور ترقی علوم و فنون کے طریقوں کو لاکھوں روپیہ کی امداد مل رہی ہے اور دکن کا روپیہ تمام ہندوستان میں اصلی فائدہ مندی کی شان سے خرچ ہوتا ہے۔ ایک اعتبار سے نظام گورنمنٹ کو برٹش گورنمنٹ پر بھی فوقیت حاصل ہے کہ برٹش گورنمنٹ اپنے مقبوضہ علاقہ ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کی مذہبی علوم اور قومی فنون کی سرپرستی میں ایسی فراخدلی استعمال نہیں کرتی جتنی نظام گورنمنٹ کی جانب سے برٹش علاقہ میں ایک وسیع پیمانہ پر سرپرستی ہو رہی ہے۔

تو کیا ہندوستان احسان فراموشی کریگا

اور نظام گورنمنٹ کے ان عظیم الشان احسانوں کو پس پشت ڈال دیگا؟ کیا ہندوستان کے ہندو، مسلمان، پارسی، سکھ، عیسائی وغیرہ فرقے نظام گورنمنٹ کی مسلسل اور غیر متعصبانہ امداد کو بھول جائینگے؟ ہرگز نہیں ہمکو ہندوستان سے یہ توقع ہرگز نہیں ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو تو خصوصیت کیساتھ نظام گورنمنٹ کے اقتدار و امن و ترقی کا خیال رکھنے

کی ضرورت ہے کہ ان کی موجودہ ہستی کو سلطنتِ نظام سے متعدد اقسام کا تعلق ہے، کیا مسلمان اس کو بھول جائینگے کہ اگر خدانخواستہ نظام گورنمنٹ کو کسی قسم کا نقصان پہنچے یا وہاں اندرونی خرخشے پیدا ہوں یا اور کسی قسم کی ایسی صورتیں نکلیں جن سے حکومتِ نظام کے موجودہ شیرازہ میں برہمی پڑ جائے تو اسکا کتنا بڑا تباہ کن اثر ہندوستانی مسلمانوں پر پڑیگا، آج ہندوستان کے بہترین دماغ دکن میں پرورش پا رہے ہیں، آج مسلمانانِ ہند کی ہر مذہبی، علمی و سیاسی قابلیت دکن میں سمٹکر جمع ہوگئی ہے اور نظام کا خزانہ انکی پرورش کر رہا ہے، اگر کوئی فتنہ اس ملک میں اُٹھ کھڑا ہوا تو ترکوں کو تو اس سے کچھ نفع نہیں پہنچیگا مگر خود مسلمانوں کی رہی سہی ہستی کا مجموعہ تباہ و برباد ہو جائیگا۔ اگر حضور نظام نے خلافت کے جلسے بند کر دیے، اگر اُنہوں نے اپنے ملک کے اندر اس ایجی ٹیشن کو روک دیا جسکا آخری انجام ایک عامیانہ خونریزی کی دھمکی دیتا تھا اور دکن کے مسلح مسلمانوں کو جنکی دینداری مسلّم ہے ایک ایسے ہلاکت کی جانب مائل کرتا تھا جو نہ شریعت کی رو سے جائز ہے نہ عقل سیاسی اس کو مفید سمجھتی ہے، تو کیا برائی ہو گئی جسپر ہندوستان کے ہندو مسلمان اخبار ملامت کے تیر چلا رہے ہیں۔

کیا مہاتما گاندھی کا حکم لوگ بھول گئے ہیں جنہوں نے احتیاط و صبر و ضبط کو ہمیشہ پیش نظر رکھنے کی تاکید فرمائی تھی کیا خلقت کو یہ یاد نہیں ہے کہ اُنہوں نے قطع تعلق کے تین درجے مقرر کیے ہیں جنمیں پہلا درجہ خطابات کا واپس کرنا دوسرا نوکریوں کا چھوڑنا، اور تیسرا ٹیکس وغیرہ سے انکار کرنا ہے مگر انکی یہ خواہش علانیہ شائع کی گئی ہے کہ سلسلہ وار کام کرنا چاہیے ایک دم تینوں حصوں پر عمل کرنا مناسب نہیں ہے، وہ یہ بھی فرما چکے ہیں کہ شورش و فساد و امن شکنی سے قطعی باز رہنا چاہیے اور تازہ جلسۂ الہ آباد میں تو تمام جلسے نے طے کر لیا ہے کہ کم سمجھ اور غیر تعلیم یافتہ طبقہ کو سوائے سودیشی پر عمل کرنے کے اور کسی قرارداد کے عمل میں شریک ہونیکی اجازت نہ دی جائے۔

اب غور کرنیکی یہ بات ہے کہ مہاتما گاندھی اور دیگر پیشوایانِ ملک و قوم نے یہ احتیاط کیوں برتی ہے؟ اور کیوں اُنہوں نے سب لوگوں کو مساوی طور پر جدوجہد میں حصہ لینے سے منع فرمایا؟ وجہ ظاہر ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ جب نا سمجھ لوگوں کے ہاتھ میں اس قسم کی جدوجہد آجاتی ہے تو وہ قابو میں نہیں رہتے اور شر و فساد پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اگر کوئی مہاتما گاندھی پر اعتراض کرے کہ وہ تمام لوگوں کو اعانت خلافت سے کیوں روکتے ہیں، اور ہر شخص کو ہمیں کیوں حصہ نہیں لینے دیتے تو کوئی عقلمند اور عاقبت اندیش اس اعتراض کی تائید نہ کریگا اور یہی جواب دیگا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ احتیاط سے کام

کیا جائے، اور بڑے لیڈروں کی خلافِ حکم کوئی حرکت نہ ہوتے پائے کہ وہ دور اندیش ہیں اور جو کچھ حکم دیتے ہیں اونچ نیچ دیکھکر دیتے ہیں۔

تو کیا یہی بات حضور نظام پر صادق نہیں آتی، کیا وہ اپنے ملک کی رعایا کے مزاج سے واقف نہیں ہیں، اور کیا وہ خدا کے سامنے اور دنیا کے روبرو اس کے جواب دہ نہیں ہیں کہ اپنے ملک میں امن قائم رکھیں اور عوام کے اندر وہ جوش پیدا نہ ہونے دیں جس سے لازمی طور پر فساد اور بدامنی پھیلتی ہے *

اگر دکن میں جلسے نہ روکے جاتے

تو کیا نتیجہ لوگوں میں ایک ایسی ہلچل پیدا نہ ہو جاتی جسکا قابو میں لانا اور امن کو قائم رکھ سکنا محال ہو جاتا کیونکہ دکن کی رعایا کے پاس ہتھیار ہیں اور وہ اپنے تاجدار کی دینداری کے اثر سے بڑی غیور اور حامیِ اسلام ہے اُسکو جان اور مال کی کچھ بھی پروا نہیں ہے اُس کے دل میں دین کی حرارت اصلی شان سے موجود ہے، وہ انگریزی علاقہ کے مسلمانوں کی طرح صرف باتونی نہیں ہے اُس کے اندر جب جوش پیدا ہو جائے تو وہ محض رزولیوشنوں پر قناعت نہیں کر سکتی، بلکہ کچھ آگے بڑھ جانا چاہتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو خود ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ پھر دکن کا امن قائم رہتا؟ اور کیا وہاں شہر بشہر گھر بگھر خونریزی نہ ہونے لگتی، اور حضور نظام کی عیسائی رعایا کی جانیں خطرہ میں پڑ جاتیں جن کی حفاظت کے حضور نظام شرعاً اور عرفاً ذمہ دار ہیں *

حضور نظام نے فرض ادا کیا اور کرینگے

خلافت کے متعلق حضور نظام نے خود اپنے فرمان میں شائع کر دیا ہے کہ اُنھوں نے جہاں تک ممکن تھا خلافت اور مقامات مقدسہ کیلیے برٹش سلطنت پر زور ڈالا کہ مسلمانوں کے جذباتِ مذہبی کا اُنکے تصفیہ میں لحاظ رکھنا ضروری ہے اور اب بھی وہ اپنے فرض سے غافل نہیں ہیں، وہ پھر کہینگے اُنکو پھر کہنے اور زور دینے کا حق حاصل ہے خدا نے اُنکو وہ درجہ عنایت فرمایا ہے کہ اُنکی فکر یا دہانی تمام لیڈرانِ ہند سے زیادہ مُوثر ہوگی *

پھر کیا ضرورت ہے کہ اُن کی رعایا اُن کے مقرر کردہ ضوابط سے قدم باہر نکالے اور خود اس کام کو ہاتھ میں لے جسکو اُس کا بادشاہ عمدگی سے کر سکتا ہے اور عمدگی سے کریگا۔

الہ آباد کے جلسے کی قرارداد:۔ مجکو بہت تعجب ہوا کہ الہ آباد کے جلسۂ خلافت نے ایک ایسی

قرارداد منظور کی جس سے حضور نظام کے انتظامی مسئلے میں مداخلت پائی جاتی ہے،
الہ آباد کے جلسہ نے یہ خیال نہ کیا کہ حضور نظام نے پہلے اپنا فرض اچھی طرح ادا کر دیا تھا جس کی ادائگی کیلیے
الہ آبادی جلسہ جمع ہوا تھا۔ حضور نظام نے بحیثیت محی الملۃ والدین ہونے کے خلافت اور مقامات مقدسہ
کے تحفظ کے لیے وہ سب کچھ کہدیا جو الہ آباد کا جلسہ کہنا اور ظاہر کرنا چاہتا تھا +

ہر علاقہ اور ہر ملک کے رسم و رواج میں فرق ہے، انگریزی علاقہ کے باشندے جلسے کرتے ہیں، مضامین لکھتے ہیں
قرارداد منظور کرکے حکومت کو تار بھجواتے ہیں اور پھر ایسی عملی جدوجہد شروع کرتے ہیں جو اُن کی محکومانہ حالت کے
مطابق ہو مگر حضور نظام کی گورنمنٹ اور اُن کی رعایا کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بھی جلسے کرے مضامین لکھے
یا مقتیہ گرہ کے اصول پر ترک تعلق کی تجویز عمل میں لائے، کیونکہ وہ انگریزوں کی محکوم نہیں ہے اور اُسکی حالت
انگریزی علاقہ کی مقبوضانہ حالت سے بالکل جداگانہ ہے، اسکا کام ایک و رشان رکھتا ہے اور انگریزی علاقہ کے کام کی
ایک دوسری صورت ہے، پھر جو انگریزی علاقہ کے چند افراد نے نظام گورنمنٹ کے اندر جاکر وہ کام شروع کیے، جو
انگریزی علاقہ ہی کیلیے موزوں ہوسکتے تھے اور وہاں کی خود مختارانہ حکومت اور شخصی انتظام کے سراسر خلاف تھے، اور
جن سے دکن کی امن پسند رعایا میں ایک عام سرکشی اور وسیع بغاوت کا خطرہ تھا تو کیا ان کا روکنا اور نظر بند
کرنا اور جلسوں کو ممنوع قرار دینا مناسب نہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں ہر معقول پسند قبول کریگا کہ اسکی ضرورت تھی،
اور نظام گورنمنٹ نے جو کچھ کیا بالکل مناسب کیا۔

کیا تم دکن کا تباہ ہونا پسند کرتے ہو؟

کیا تم کو اتنی سمجھ نہیں ہے کہ بڑے لوگوں کی مشکلات بھی بڑی ہوتی ہیں۔ تم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ ریاستوں
کے تعلقات برٹش گورنمنٹ سے کیسے نازک ہوا کرتے ہیں اور اُن کو کیسا پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے، اگر
تم اس کو سمجھتے ہو تو پھر کیوں دکن میں اس کا خیال نہیں کرتے اور کیوں تم نے ملکر گورنمنٹ نظام کے خلاف ایک شور و
غوغا مچا رکھا ہے۔ کیا تمہاری یہ خواہش ہے کہ دکن میں شورش برپا ہو اور وہاں اُن لوگوں کو مداخلت کرنیکا
بہانہ ملے جن پر تم کو اعتراض ہے اور جن کے خلاف تم جدوجہد کر رہے ہو۔ کیا تمہاری یہ خواہش ہے کہ ترکوں
کی طرح خدانخواستہ نظام گورنمنٹ بھی مشکلات میں مبتلا ہو جائے، اگر ایسا ہو جائے تو

مسلمانو! خدا کو کیا جواب دوگے؟

جب وہ تم سے قیامت کے دن سوال کریگا کہ کیوں تم نے ترکوں کی غلط ہمدردی کے دعوے سے اپنے ہی برادر دینی ملک کو تباہی اور پریشانی میں ڈال دیا جس سے ترکوں کو تو کچھ فائدہ نہ پہنچا مگر تمہارے سرپرست اسلامی ملک کو نقصان پہنچ گیا؟

تم اس کا کچھ بھی جواب نہ دے سکوگے۔ تم کو نادم ہونا پڑیگا۔ کیونکہ اس وقت تم کو معلوم ہوجائیگا کہ بیشک ہماری رائے غلط تھی، اور ہم نظام گورنمنٹ کی نیک نیتی سے واقف نہ تھے، اور ہم نے اُسکی انتظامی مصلحت کو سمجھا نہ تھا۔

مت ڈرو اور صاف کہو

آج جوش و خروش کے جنون کا زمانہ ہے، کوئی شخص حق بات کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ عامیانہ شورش کی حمایت کرنا، اور دوسروں کو لیکر خود تباہی کے غار میں گرنا لوگوں نے قبول کرلیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ غلط ہے مگر ڈر کے مارے اُن کی زبان سے کچھ نہیں نکلتا، اور وہ شورش پسندوں کی ہاں میں ہاں ملانے کے سوا دل کی بات زبان پر لانے کی جرأت نہیں رکھتے۔ مگر مت ڈرو کہ حق پرست ڈرا نہیں کرتے۔ جو کچھ کہنا ہو صاف کہو۔

میرا پیام ہندوستان کے نام!

یہ ہے کہ انگریزی علاقہ کے اندر ہم سب کو قطع تعلق کے ان تمام مراحل پر آزادی اور مستعدی سے عمل کرنا چاہیے جو مہاتما گاندھی نے تعلیم کیے ہیں، اور اس عمل میں جس قدر مشکلات اور دشواریاں پیش آئیں اُن سے گھبرانا نہ چاہیے۔

مگر دیسی ریاستوں کے باشندوں کو اپنے ساتھ ملانے کے خیال کو ترک کردینا چاہیے، ورنہ وہاں ایسی تباہی پھیل جائیگی جو انگریزی علاقہ والوں کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی خصوصاً نظام گورنمنٹ کی اندرونی معاملات میں ہم کو قطعاً دخل دینا مناسب نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے برٹش علاقہ سے جاکر وہاں شورش کرنیکا منصوبہ باندھا تھا اُن سے قطعی بے تعلقی کا اظہار کردینا چاہیے۔

دکن کی رعایا سے التماس

میں دکن یعنی حضور نظام کی رعایا سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے بادشاہ کی اطاعت سے باہر نہ ہو اور سمجھے کہ اس کی سرکشی یا خلافت کی جد و جہد سے اُس کے بادشاہ کی اندرونی و بیرونی مشکلات میں کیسا پیچیدہ اضافہ ہو جائیگا۔

بادشاہ سے محبت کرنیوالی رعایا وہ ہے جو اُس کی مصلحتوں کو دریافت نہیں کرتی اور سرِ اطاعت ہر حال میں جھکائے رکھتی ہے، اور دکن کی رعیت تمام ہندوستان میں اطاعت شعاری کا ایک خاص شیوہ رکھنے میں مشہور ہے، اسکو اپنے بادشاہ اور اپنے ملک سے جو محبت ہے اُسکی نظیر کسی اور ملک یا ریاست کی رعایا میں مشکل سے ملسکتی ہے لہذا آج اُسکا فرض ہے کہ اپنے شہرۂ آفاق جذبۂ وفاداری سے کام لے اور موجودہ وقت نازک میں ایسی کوئی بات نہ ہونے دے جس سے اُس کے بادشاہ یا اُسکے ملک پر بدنامی کا حرف آئے کہ اُسکے بادشاہ کی عزت درحقیقت خود رعایائے دکن کی عزت ہے جو لوگ خلافت اور دین کا جھوٹ موٹ نام لیکر دکن میں گڑبڑ پیدا کرنی چاہتے ہیں وہ لوگ دراصل رعایائے دکن کی وفاداری کا امتحان لیتے ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ دکن کی رعایا اس امتحان میں پوری اُتریگی اور سب فتنہ انداز لوگ اسکی امن پسندی اور وفاداری دیکھکر دم بخود اور نادم ہو جائینگے۔

پس یہ میرا فرض تھا جس کو ہشیار ملامت کرنے والوں کے نرغے میں کھڑے ہو کر خوشنودیِ خدا کے لیے ادا کرتا ہوں۔ اسلام اور حکومتِ اسلام کے ہر فداکار کا فرض ہے کہ وہ اس مضمون کو اَن پڑھ مسلمانوں کو سُنائے اور فتنہ فساد سے روکے۔

میں ذاتی طور پر اپنے بزرگوں، دوستوں اور مریدوں سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص دکن کی اسلامی سلطنت کے اس ضروری حق حمایت کو ادا کرے، اور ناواقف لوگوں کو اس مضمون اور اپنی دوسری قابلیتوں سے مطمئن کرنے کا فرض بجا لائے۔

۱۷ر شوال ۱۳۳۸ھ

حسن نظامی دہلوی